آہ! مولانا فتح محمدؒ بھی رخصت ہو گئے

مولانا عبدالمالک

مولانا فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے تعلیمی، تربیتی، تنظیمی، دعوتی، تبلیغی اور جماعتی حلقے ایک عظیم شخصیت سے محروم ہوگئے، اناللّٰہ وانا الیہ رٰجعون۔ مولانا فتح محمدؒ جماعت اسلامی پاکستان کے نمایاں، ممتاز اور اہم قائد تھے۔ ملک کی سیاسی، دینی، سماجی تنظیمات میں معروف تھے اور قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ علما ومشائخ، دینی مدارس، اتحاد تنظیمات مدارسِ دینیہ کے شیوخ، مہتممین و منتظمین ان سے عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ تمام مکاتبِ فکر کے علما ان کی سیرت وکردار، اخلاق، تواضع، للّٰہیت اور حق گوئی سے متاثر تھے۔ ان تمام شخصیات سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ مولاناؒ تعلق نبھانے اور اسے قائم رکھنے میں انتہائی مستعد رہتے تھے۔ جس سے ایک بار تعلق قائم ہوجاتا، اسے پھر کبھی ٹوٹنے نہ دیتے۔ ان کی زندگی میں بھی یاد رکھتے اور فوت ہوجانے کے بعد بھی ان کے پس ماندگان سے تعلق قائم رکھتے۔

مولانا فتح محمدؒ اگست ۱۹۲۳ء میں ضلع چکوال کے ایک گاؤں دولہہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد دینی وعصری تعلیم حاصل کرنے میں مسلسل مصروف رہے۔ ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۴ء میں دارالعلوم تعلیم القرآن راجا بازار میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ سے درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتب سے لے کر آخری درجوں کی کتب کافیہ، شرح مُلّا جامی اور فقہ کی ابتدائی کتب سے لے کر شرح وقایہ وہدایہ تک مکمل کیں اور دورۂ تفسیر القرآن سے دو مرتبہ فیض یاب ہوئے۔ اپنی قابلیت اور ذوق وشوق کی وجہ سے مولانا غلام اللہ خانؒ کے انتہائی قریبی اور قابلِ اعتماد شاگردوں میں شمار ہونے لگے اور ان کی دعوتی وتبلیغی

سرگرمیوں کو منظّم کرنے والی ٹیم میں شامل ہوگئے۔ اس دوران میں ان کے رفقاء کا ایک حلقہ قائم ہوگیا جو ان کے گرد یوں جمع ہوجاتے جیسے شمعِ محفل کے گرد پروانے۔

مولانا فتح محمدؒ کی طرح مولانا صدر الدین الرفاعی، جو قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے ایک بڑے ستون تھے اور مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے معتقد اور مدّاح تھے، وہ بھی اس دور میں شیخ القرآن کے دست و بازو تھے۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ اپنے شاگردوں میں دینی جوش وجذبہ بھر دیتے تھے۔ مولانا فتح محمدؒ کو بھی انھوں نے متاثر کیا۔ اسی دوران انھوں نے سید مودودیؒ کا لٹریچر سلامتی کا راستہ، اسلام اور جاہلیّت، خطبات، دینیات اور دہلی سے شائع ہونے والے رسالے مولوی کا مطالعہ کیا جس میں مولانا مودودیؒ کے مضامین شائع ہوتے تھے تو ان کے دینی جوش و جذبے کو صحیح سمت مل گئی۔ مولانا مودودیؒ اس وقت تک دارالسلام پٹھان کوٹ میں منتقل ہوچکے تھے۔ ان سے خط وکتابت شروع کی۔ جماعت کا دستور اور مزید لٹریچر منگوا کر مطالعہ کیا۔ ۱۹۴۳ء کے اواخر یا ۱۹۴۴ء کے آغاز میں اطلاع ملی کہ مولانا مودودیؒ کوثر اخبار کے دفتر میں جماعت اسلامی کے ایک اجتماع میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لا رہے ہیں، چنانچہ مولانا فتح محمدؒ اپنے دوست عبدالحمید صاحب کے ساتھ، جن کے ذریعے انھیں مولانا کا لٹریچر ملا تھا، اس اجتماع میں شامل ہونے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔

مولانا مودودیؒ اور میاں طفیل محمد صاحب سے اس موقع پر ان کی پہلی ملاقات ہوئی۔ یکم نومبر ۱۹۴۴ء کو جماعت کے رکن بن گئے۔ اس سے پہلے راولپنڈی میں صرف ایک رکن سید راغب الحق تھے۔ اس لیے وہاں جماعت کی تشکیل نہیں ہوئی تھی۔ مولانا فتح محمدؒ رکن بن گئے تو جماعت اسلامی کا باقاعدہ نظم قائم ہوگیا اور آہستہ آہستہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کے حلقے میں شامل ان کے رفقا بھی ان کے گرد جمع ہوگئے۔ اب مولانا فتح محمدؒ ایک قائد کی حیثیت سے جماعت اور دیگر دینی جماعتوں کے لیے مرکز ومحور بن گئے۔ مولانا غلام اللہ خانؒ کے حلقے کا انھیں اعتماد حاصل تھا اور راولپنڈی ڈویژن، جس میں ہزارہ بھی شامل تھا، اور ایک عرصے تک آزاد کشمیر بھی مولانا کی زیرنگرانی رہا، جماعت اسلامی کا ایک فعال، مضبوط اور پُرکشش مرکز بن گیا۔ جماعت کو ایک طویل عرصے تک مولانا فتح محمدؒ کے روابط کی بدولت علما کی مخالفت سے تحفظ حاصل رہا۔ جمعیت

اشاعت التوحید والسنۃ جماعت اسلامی کی حامی اور مولانا مودودیؒ کی مدّاح رہی۔اس کے نتیجے میں راولپنڈی، آزاد کشمیر اور ملک کے دوسرے حصوں سے ان کے حلقۂ اثر کے بہت سے علما جماعت اور جمعیت اتحاد العلما میں شامل ہوگئے۔

قیام پاکستان کے متصل بعد مولانا مودودیؒ نے چار نکاتی تحریک نفاذِ شریعت اور دستورِ اسلامی کا آغاز کیا۔مولانا نے ریاست کے اسلامی ہونے کی شرط بھی کلمہ پڑھنے کو قرار دیتے ہوئے فرمایا: جس طرح فرد اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کلمہ نہ پڑھے، اسی طرح ریاست بھی اس وقت تک اسلامی نہیں کہلائے گی جب تک وہ کلمہ نہ پڑھ لے۔انھوں نے اس کے لیے ایک چار نکاتی تحریک شروع کی۔مولانا مودودیؒ نے اس کے لیے ملک بھر کے دورے کیے۔اجتماعات اور جلسوں سے خطاب کیا۔راولپنڈی اور ہزارہ اور آزاد کشمیر کی سطح پر اس تحریک کو مولانا فتح محمدؒ نے منظّم کیا۔انھیں علما کی حمایت بھی حاصل تھی۔پورے ملک کی طرح راولپنڈی ڈویژن میں بھی تحریک عروج پر پہنچی اور حکومت نے قراردادِ مقاصد کی شکل میں چار نکاتی تحریک کو منظور کرلیا۔

قراردادِ مقاصد تو پاس ہوگئی لیکن اسلام اور جمہوریت کے خلاف سازشیں جاری رہیں۔ قراردادِ مقاصد کے مطابق ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ میں ٹال مٹول سے کام لیا گیا۔دستور اسلامی کے لیے از سرِنو تحریک برپا کی گئی۔قادیانیوں کے خلاف بھی تحریک ختم نبوت کو منظّم کرنا پڑا، اس کے لیے علما نے مسلسل جدوجہد کرنا شروع کی۔مولانا فتح محمد کی ذمہ داری کے اس دور میں ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت اپنے عروج پر پہنچی۔اسی طرح مولانا مودودیؒ، میاں طفیل محمد اور محترم قاضی حسین احمد کے دورِ امارت میں انھوں نے راولپنڈی اور پنجاب کی سطح پر جماعت کی تنظیم اور جماعت کی برپا کردہ تحریکات کے ضمن میں عظیم اور مثالی جدوجہد کی۔تحریکِ جمہوریت، تحریکِ ختم نبوت اور تحریکِ نظام مصطفیٰ اور تحریکِ جہاد، سیلاب زدگان اور متاثرین زلزلہ کی خدمت کی۔ہر میدان میں مستعدی اور جان فشانی سے حصہ لیا۔آج جماعت اسلامی کی قیادت قوت اور اثرات کے جس مقام پر پہنچ چکی ہے اس میں مولانا فتح محمدؒ کا بڑا حصہ ہے۔جب پنجاب کی امارت کی ذمہ داری سے فارغ ہوئے تو انھوں نے اپنے آپ کو فارغ نہ سمجھا۔ہر تحریک، ہر پروگرام میں ذوق وشوق سے شریک ہوئے۔محترم قاضی حسین احمد کے دورِ امارت میں اسلام آباد میں دو مرتبہ دھرنے دیے

گئے۔ان دھرنوں میں مشکلات، رکاوٹوں اور پیرانہ سالی کے باوجود ہمت، حوصلے اور جرأت سے شرکت کی۔

ان ہمہ گیر اور وسیع تحریکی و تنظیمی سرگرمیوں کے باوجود مولانا فتح محمدؒ نے ایک دن کے لیے بھی تعلیم و تعلّم، مطالعے اور اپنے روزمرہ کی عبادات، تلاوت، اذکار کے پروگراموں کو معطل نہیں کیا۔ وہ پڑھتے اور پڑھاتے بھی رہے۔شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کے علاوہ مولانا مسعود عالم ندویؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے عربی زبان اور تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں استفادہ بھی کیا۔ان کا قائم کردہ تعلیمات عالیہ کالج، جس میں فارسی فاضل اور اردو فاضل کی معیاری تعلیم دی جاتی تھی راولپنڈی کا معروف و مشہور ادارہ تھا۔۱۹۴۳ء میں ایف اے، ۱۹۵۳ء میں ایف اے کے اضافی مضامین اُردو، فارسی، معاشیات کا امتحان پاس کیا۔اپریل ۱۹۶۰ء میں بی اے کیا اور ۱۹۶۳ء میں بی اے کے اضافی مضامین اردو، فارسی، عربی کا امتحان پاس کیا۔۱۹۶۶ء میں ایم اے پولیٹیکل سائنس کا امتحان پاس کیا۔۱۹۷۶ء میں ایم اے عربی کیا۔

جب منصورہ میں مرکز علومِ اسلامیہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو مرکز کے منصوبے میں علومِ عربیہ و اسلامیہ کا دارالعلوم بھی شامل تھا۔اس کے لیے ابتدائی طور پر جامع مسجد منصورہ کے ساتھ ایک عمارت بھی تعمیر کی گئی تھی۔مولانا فتح محمدؒ اس وقت جماعت اسلامی پنجاب کے امیر تھے، انھیں اس کا مہتمم مقرر کیا گیا۔اس کا افتتاح ۱۴۰۰ھ کو دورۂ تفسیر کے آغاز سے کیا گیا۔مولانا فتح محمدؒ اپنی وفات (۱۰/اگست ۲۰۰۸ء) تک اس کے مہتمم اور مدرّس رہے۔

پانچ سال سے وہ رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان کے نائب صدر تھے۔اس ذمہ داری کے سبب ان کے مدارس، دینی مدارس کی تنظیمات اور ان کے ذمہ داران سے روابط اور تعلقات تھے۔ اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ میں وقتاً فوقتاً نمایندگی بھی کرتے تھے۔اتحاد تنظیم کے صدور، ناظمین اور مدارس کے شیوخ نے ان کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور مغفرت کی دعائیں کیں۔

جب منصورہ میں شعبان/ رمضان ۱۴۰۰ھ میں دورۂ تفسیر کا آغاز ہوا اور مولانا گوہر رحمٰنؒ کو دورۂ تفسیر کے لیے بلایا گیا تو اس وقت مولانا فتح محمدؒ نے اہتمام کے ساتھ پڑھنا بھی شروع کر دیا۔ وہ دورۂ تفسیر کے پہلے طالب علم بھی تھے۔اس طرح ہر سال دورۂ تفسیر میں شرکت کرتے۔

محرم الحرام ۱۴۰۱ء سے مرکز علومِ اسلامیہ میں باقاعدہ اعلیٰ درجوں کی تعلیم کا آغاز کیا گیا تو مولانا فتح محمدؒ نے دفتری اوقات کے بعد پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ مسلسل پڑھتے رہے یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ انھوں نے دارالعلوم میں پڑھانا بھی شروع کر دیا۔ ترجمۂ قرآن پاک، ریاض الصالحین، مشکوٰۃ اور شرح وقایہ کئی سال تک پڑھاتے رہے، بالآخر ادارے نے ان پر ان کی مرضی کے بغیر بوجھ کم کر دیا اور مشکوٰۃ کا درس دوسرے اساتذہ کے سپرد کر دیا۔ اسی دوران جامعۃ المحصنات میں ایک استاد کی ضرورت محسوس کی گئی تو مولانا نے اس کے لیے بھی اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ یہ ان کی ہمت، حوصلہ، عزم، جذبہ اور ذوق وشوق تھا کہ بیماری کے دوران بھی بوجھ اٹھانے کے لیے تیار تھے۔

وہ ان مصروفیات کے ساتھ ساتھ مزید سرگرمیاں بھی جاری رکھتے۔ جہاں کہیں فہم قرآن کی کلاس ہوتی، کوئی اجتماع، ریلی، علما کنونشن، دینی پروگرام، تحریک، دھرنا ہوتا تو اس میں پیش پیش ہوتے۔ ان کے علمی ذوق وشوق کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ ۲۰۰۵ء میں انھوں نے تعمیرِ سیرت کالج سے کمپیوٹر کورس کیا اور ''مہد سے لے کر لحد تک علم حاصل کرو'' کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ قریب و دُور جہاں جانا پڑتا وہاں پہنچ جاتے۔ یہ تو ان کا تحصیلِ علم کا ذوق تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مرکز علومِ اسلامیہ کے لیے مالی اعانت جمع کرتے، اس کے لیے لوگوں سے رابطے کرتے، اندرون و بیرون ملک دورے کرتے اور بھرپور کوشش کرتے۔ انھوں نے برطانیہ، سعودی عرب، ابوظہبی دبئی، شارجہ، ایران اور افغانستان کے مطالعاتی اور دعوتی دورے بھی کیے۔ اکتوبر ۲۰۰۷ء میں سعودی عرب کا دورہ کیا۔ اس دورے میں مختلف شہروں میں دعوتی تربیتی اجتماع سے خطاب کیا اور عمرہ بھی کیا۔

مجھے ۳۰ سال سے زیادہ ان سے رفاقت کا شرف حاصل رہا۔ اس طویل عرصے میں، میں نے مولانا فتح محمدؒ کو ہمیشہ مطمئن پایا، حتیٰ کہ مرض الوفات میں بھی کسی قسم کی بے قراری، شکوہ شکایت زبان پر نہ تھی۔ ان کے اطمینان کو دیکھ کر امید ہوتی تھی کہ جلد ہی صحت یاب ہو جائیں گے۔ وہ شدید بیماری میں بھی مطمئن تھے۔ ۲، ۳ راگست کو یہاں منصورہ میں مختلف ممالک سے کچھ مہمان تشریف لائے تو انھوں نے ۳ اگست کو مجھے ایک خط بھیجا کہ میں ان مہمانوں کو دارالعلوم کی نئی عمارت کا دورہ کرواؤں اور دارالعلوم کے مختلف پروگراموں سے متعارف کرواؤں۔ وہ شدید بیمار تھے، مگر دارالعلوم

کی فکر ان کے دامن گیر تھی۔ ۱۰/اگست ۲۰۰۸ء کی شام کو ان کی طبیعت بہت خراب ہوگئی۔ ظہر سے پہلے ان پر غشی طاری تھی۔ ہم نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا، نماز کا وقت آیا تو ہم نماز پڑھنے چلے گئے۔ واپس آئے تو روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ ان کی موت کا منظر دیکھ کر یہ آیت یاد آگئی:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ○ (الفجر ۸۹:۲۷-۲۸) اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ جا، اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ایسی ہی مومنانہ شان اور مقام و مرتبہ عطا فرمائیں۔

میں نے مولانا کو کبھی بھی پریشان حال نہ پایا۔ وہ پورے اطمینان کے ساتھ اپنے کام سرانجام دیتے رہے۔ کبھی کسی کے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے بھی نہ پایا۔ انھوں نے نظمِ جماعت کے ساتھ اختلاف کی صورت میں اختلاف کیا لیکن آداب کو ملحوظ رکھا اور نظمِ جماعت کی اطاعت کی۔ ان کی زندگی کو دیکھ کر یہ حدیث یاد آتی ہے: ''جسے آخرت کی فکر ہو، اللہ اس کے دل میں غنا پیدا کر دیتا ہے اور اس کے کاموں کو منظّم کر دیتا ہے، اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر پہنچتی ہے''۔ (مشکوٰۃ)

وہ اخلاقِ حسنہ کا بہترین نمونہ تھے، سراپا اخلاق تھے۔ اپنے دوستوں، جماعتی رفقا، علما و مشائخ کے حقوق کا خیال رکھتے، بیماروں کی عیادت کرتے، فوت ہونے والوں کے جنازے میں پہنچتے، وقتاً فوقتاً مہمان نوازی اور افطاری کے لیے گھر پر بلاتے۔ راولپنڈی اور لاہور میں ان کا گھر دفتر کی طرح مہمان خانے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ لوگوں کے کاموں کے لیے وقت نکالتے، افسروں کو فون کرتے، ضرورت ہوتی تو ان کے ساتھ چل کر جاتے۔ وہ ہر کارِ خیر میں پیش پیش رہتے۔

اللہ تعالیٰ انھیں غریقِ رحمت کرے۔ وہ یاد آتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ رفقا اور اولاد کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق سے نوازے، آمین!